اسلام کا عدالتی نظام

محمد اعجاز☆

عربی میں عدالتی نظام کو نظام القضاء کہا جاتا ہے۔ القضاء کے لغوی معنی "الحکم بین الناس" لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے ہیں۔ اسی لیے قاضی کو حاکم کہا جاتا ہے۔(۱)

قضاء کی اصطلاحی تعریف "فصل الخصومات وقطع المنا زعات"(۲) مقدمات کا فیصلہ اور تنازعات کو نپٹانا کی جاتی ہے۔ شافعیہ نے اس کی تعریف یوں کی ہے :

"انه فصل الخصومة بین خصمین فأکثر بحکم الله تعالیٰ"(۳)

یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ذریعے دو یا دو سے زاید فریقین کے درمیان مقدمے کا فیصلہ کرنا ہے یعنی کسی واقعے کے بارے میں حکم شرعی کو واضح کرنا ہے۔

قضاء کو حکم اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں حکمت پائی جاتی ہے کہ ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھ دیا جاتا ہے۔ جس کا جو حق بنتا ہے اسے دیا جاتا ہے ظالم کو ظلم سے روکا جاتا ہے۔(۴)

عدالتی نظام کو قائم کرنا قرآن، سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿یا داود إنا جعلناك خلیفة فی الأرض فاحکم بین الناس بالحق﴾(۵)

دوسری جگہ ارشاد باری ہے:

﴿وأن احکم بینهم بما أنزل الله﴾(۶)

قرآن کے نازل کرنے کا مقصد بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿إنا أنزلنا إلیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما أراك الله﴾(۷)

مندرجہ بالا اور دیگر آیات اس پر دلیل ہیں کہ عدالتی نظام کو قائم کرنا اسلامی ریاست کی بنیادی

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سینٹر، جامعہ پنجاب، لاہور

ذمہ داریوں میں سے ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سنت بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے خود لوگوں کے درمیان مقدمات و تنازعات کا فیصلہ فرمایا اور پھر حضرت علیؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا۔(۸)

اس کے علاوہ آپؐ کا ارشاد ہے۔ جسے عمرو بن العاصؓ نے روایت کیا ہے :

" إذا اجتهد الحكم فأصاب ، فله أجران وإذا اجتهد فأخطأ فله أجر" (۹)

سنن البيهقى کی روایت ہے :

"إذا جلس الحاكم للحكم بعث الله له ملكين يسددانه و يوفقانه فإن عدل أقاما وإن جار عرجاو تركاه" (۱۰)

مندرجہ بالا روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں کے تصفیہ طلب امور میں فیصلہ کرنا اور اس کے لیے ایک نظام وجود میں لانا شرعی طور پر ضروری ہے۔

قاضی کو تقرر کرنے اور لوگوں کے جھگڑوں و تنازعات میں فیصلہ کرنے کا انتظام کرنے پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور کبھی بھی اس سے انکار یا منع نہیں کیا گیا۔

مزید بر آں عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کیونکہ انسانوں کے درمیان اختلاف، تنازعات اور جھگڑوں کا پیدا ہونا فطری ہے۔ اس سے انکار ناممکن ہے۔ تو پھر لازمی ہے کہ کوئی ایسا نظام ہو جس کے ذریعے ان تنازعات کو ختم یا نپٹایا جا سکے۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ قضاء ثابت شدہ فرض ہے تاہم فقہاء نے اسے فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ یہ نظام امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی قبیل سے ہے اور یہ عام حالات میں فرض کفایہ ہے حاکم پر واجب ہے کہ وہ قاضیوں کا تقرر کرے اور انہیں فیصلہ کرنے کا اختیار تفویض کرے کیونکہ تمام مقدمات کو خود سننا اور فیصلہ دینا اس کے لیے ناممکن ہے۔ تاہم قاضی مقرر کرتے وقت اسے مندرجہ ذیل شرائط مد نظر رکھنا ہوں گی۔

قاضی کی شرائط

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ قاضی کا عاقل، بالغ، آزاد، مسلمان، سننے والا، دیکھنے والا اور بولنے

والا ہونا شرط ہے۔(۱۱)

مجنون، بچہ، غلام اور غیر مسلم قاضی نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کی ولایت یعنی اختیار نہیں ہوتا۔ قاضی بننے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں اہلیت ولایت ہو۔ گونگا، بہرہ اور اندھا اس لیے قاضی نہیں ہو سکتا کہ یہ افراد کسی مسئلے کو پوری طرح سمجھ نہیں سکتے۔ مقدمہ کے فیصلے کے لیے واقعہ یا مسئلہ کو اچھی طرح سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔ قاضی کا کام صرف حکم لگانا نہیں بلکہ واقعہ کی مناسبت سے حکم لگانا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ قاضی ایسے فرد کو بنایا جائے جو گونگا، بہرہ یا اندھا نہ ہو۔

متذکرہ بالا کا قاضی کے لیے شرط پر اتفاق ہے مگر قاضی کی عدالت، مرد ہونے اور اجتہاد کی صلاحیت کو شرط قرار دینے میں فقہاء میں اختلاف ہے۔(۱۲) جس کو ہم مختصراً بیان کریں گے۔

عدالت

عدالت عدل سے ہے جس سے مراد ہے حق دار کو اس کا حق دینا یعنی جس کا جو حق بنتا ہے وہ حق دے دینا۔ شرعی طور پر کسی شخص کے عادل ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے والا ہو۔ فقہاء نے مزید واضح کرنے کے لیے عادل اس شخص کو کہا ہے جو کبائر سے اجتناب کرتا ہو اور صغائر پر اصرار نہ کرتا ہو۔(۱۳) یعنی وہ فاسق نہ ہو۔

قاضی کا عادل ہونا یعنی فاسق نہ ہونا مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک شرط ہے۔ کیونکہ فاسق کے قول پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یا أیھا الذین اٰمنوا إن جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا﴾(۱۴)

فاسق کو قاضی اس لیے بھی بنایا نہیں جا سکتا کہ جمہور کے نزدیک اس کی گواہی قابل قبول نہیں جب گواہی قبول نہیں تو قاضی کیسے بن سکتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک فاسق کو اگر قاضی مقرر کر دیا جائے تو ضرورت کے تحت اس کے فیصلے درست ہوں گے مگر فاسق قاضی بنانا نہیں چاہیے ایسے فرد کو قاضی مقرر کرنے والا حکمران گناہگار ہوگا۔ حنفیہ فاسق قاضی کو DeJure نہ ہونے کے باوجود Defacto اس کے فیصلوں کو نافذ سمجھتے ہیں۔ عملاً حنفیہ کی رائے زیادہ درست ہے۔ فیصلوں کے نفاذ کے لیے قاضی کی عدالت کو شرط قرار دینے

سے نظام گڑبڑ ہو سکتا ہے۔

مرد ہونا

جمہور کے نزدیک قاضی کا مرد ہونا شرط ہے عورت کو منصب قضاء پر فائز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة" (۱۵)

قاضی کے لیے ضروری ہے کہ وہ صاحب الرائے ہو، ذہین فطین معاملہ فہم ہو جبکہ عورت ناقص العقل اور امور دنیا سے اس قدر واقف نہیں ہوتی جس کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اشارہ کیا گیا ہے:

﴿ان تضل إحداهما فتذكر إحداهما الاخرىٰ﴾ (۱۶)

قاضی کے لیے لازمی ہے وہ مردوں کی مجلس میں بیٹھے مثلاً فقہاء گواہ اور فریقین وغیرہ جبکہ عورت کے لیے مردوں کی مجلس ممنوع ہے۔ جمہور اس سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدین نے کسی عورت کو کبھی قاضی مقرر نہیں کیا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ دیوانی مقدمات میں عورت قاضی بنادی جائے تو جائز ہے یعنی اس کے فیصلے نافذ ہوں گے کیونکہ ان میں اس کی گواہی قبول کی جاتی ہے مگر حاکم ایسی تقرری پر گناہگار ہوگا۔

اہلیت اجتہاد

اجتہاد کی اہلیت ہونے سے مراد ہے کہ وہ قرآن و سنت کے احکام، اجماع، قیاس عربی زبان، اصول فقہ سے واقف ہو۔ (۱۷)

مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور بعض حنفیہ کی رائے میں قاضی میں اہلیت اجتہاد کا ہونا شرط ہے اس لیے کہ احکام شرعیہ سے جاہل کو ولایت نہیں سونپی جا سکتی جبکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿وأن احكم بينهم بما أنزل الله﴾ (۱۸)

مزید ارشاد ہے:

﴿لتحكم بين الناس بما أراك الله﴾ (۱۹)

سورۃ النساء میں فرمایا:

﴿فإن تنازعتم في شيء فردوه الى الله والرسول﴾ (۲۰)

مندرجہ بالا آیات حاکم و قاضی کے لیے ضروری قرار دیتی ہیں کہ وہ دلیلوں سے احکام کا استنباط کر سکے لہٰذا قاضی کے لیے شرط ہے کہ اس میں اجتہاد کرنے کی صلاحیت ہو۔ جمہور حنفیہ کی رائے میں قاضی کے لیے مجتہد ہونا شرط نہیں مگر بہتر ہے کہ اس میں اجتہاد کی صلاحت ہو۔ اگر وہ دوسرے کے فتوے پر فیصلہ کرتا ہے تو درست ہے کیونکہ قضاء کی غرض مقدمات کا فیصلہ اور حق دار کو حق دلانا ہے جو تقلید سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ عصر حاضر میں ایسے افراد کا ملنا مشکل ہے جن میں اجتہاد کی صلاحیت پائی جائے۔ اہلیت اجتہاد کو شرط قرار دینے سے یہ نظام ہی خطرے میں پڑ جائے گا۔ اس لیے حنفیہ کی رائے پر عمل کرنا ہی بہتر نظر آتا ہے۔

قاضی کے لیے منصب قبول کرنے کا حکم

اگر کسی شہر میں ایک ہی شخص منصب قضاء کے لیے مناسب ہو تو فقہاء کا اس رائے پر اتفاق ہے اس پر طلب اور قبول کرنا لازم ہے اگر ایسا نہیں کرتا تو گناہگار ہوگا مزید یہ کہ حاکم کو اسے مجبور کرنے کا حق ہوگا۔ شہر میں ایک سے زاید اہل افراد کی موجودگی میں منصب قضاء قبول کرنے کے بارے جمہور علماء کے نزدیک منصب ترک کرنا افضل ہے جبکہ کہتے ہیں کہ قبول کرنا افضل ہے۔ (۲۱)

کیونکہ انبیاء و رسل علیہم السلام اور خلفائے راشدین منصب قضاء پر فائز رہے۔ اس لیے بھی کہ جو قضاء کے ذریعے اللہ کی رضا چاہے اس کے لیے یہ عین عبادت ہے بلکہ عبادات میں افضل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"عدل يوم من إمام عادل أفضل من عبادة ستين سنة" (۲۲)

ایک اور جگہ آپؐ فرماتے ہیں:

"سبعة يظلهم الله في يوم لا ظل إلا ظله الا مام العادل .... (۲۳)

جو منصب قضاء ترک کرنے کو افضل قرار دیتے ہیں ان کی دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"من جعل قاضياً بين الناس فقد ذبح بغير سكين" (۲۴)

اسی لیے صحابہ میں سے ابن عمرؓ اور کبار فقہاء میں سے ابو حنیفہ نے منصب قضاء قبول کرنے سے انکار کیا۔ ترک کو افضل اس لیے بھی قرار دیا گیا ہے کہ اس منصب کو قبول کرنا مکروہ ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے عبدالرحمٰن بن سمرۃ سے فرمایا:

”لا تسأل الإمارة فإنک إن أعطيتها من غير مسألة أعنت عليها وإن أعطيتها عن مسألة وكلت إليها“ (۲۵)

قاضی کے دائرہ اختیار (Jurisdiction) میں آنے والے امور

قاضی کے دائرہ اختیار میں دس امور آتے ہیں۔ (۲۶)

۱۔ باہم رضامندی کے نتیجے میں ہونے والی صلح یا اجباری حکم کے ذریعے فریقین کے درمیان فیصلہ کرنا۔

۲۔ ظالم کو ظلم سے روکنا، مظلوموں کی مدد کرنا اور حق دار کو حق دلانا۔

۳۔ حدود کو قائم کرنا۔

۴۔ قتل اور زخموں کے معاملات پر توجہ کرنا۔

۵۔ یتیموں اور پاگلوں کے اموال کی حفاظت کے لیے اقدامات کرنا۔

۶۔ وقف کی نگرانی کرنا۔

۷۔ وصیتوں کی تنفیذ۔

۸۔ ولی کے نہ ہونے یا چھوڑ دینے پر عورتوں کا نکاح کرنا۔

۹۔ راستوں وغیرہ میں مصالح عامہ کا خیال رکھنا۔

۱۰۔ الأمر بالمعروف والنہی عن المنکر۔

آداب قاضی

قاضی کو چاہیے کہ وہ انصاف اور منصب قضاء کے متقاضی کچھ آداب کا خیال رکھے جن میں سے کچھ اہم امور کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ مشاورت: قاضی کے لیے بہتر ہے کہ اس کے ساتھ فقہاء کی ایک جماعت ہو جو اسے

گاہے بگاہے مشورہ دیں اور درست رائے تک پہنچنے میں معاون ہوں۔(۲۷)

۲۔ فریقین کے درمیان مساوات : قاضی کے لیے ضروری ہے کہ وہ فریقین کو بٹھانے مخاطب کرنے، دیکھنے اور اشارہ وغیرہ میں برابر رکھے۔ کسی ایک کو کسی بارے میں ترجیح نہ دے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے :

"من ابتلى بالقضاء بين المسلمين فليسوّ بينهم في المجلس والإشارة والنظر ولا يرفع صوته على احد الخصمين أكثر من الآخر."(۲۸)

۳۔ ہدیہ قبول نہ کرے : قاضی رشتہ دار کے سوا کسی سے ہدیہ قبول نہ کرے الا یہ کہ کسی سے وہ قاضی بننے سے پہلے بھی ہدیہ قبول کرتا تھا۔ مگر ہر صورت میں یہ شرط ہے ہدیہ دینے والے کا مقدمہ اس کے زیر سماعت نہ ہو۔ کیونکہ ایسے ہدیے رشوت کے زمرے میں آتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

هدا يا الا مراء غلول .(۲۹)

ابن اللتبیۃ کے بارے میں آپؐ نے فرمایا :

"ما بال العامل نبعثه فيجئى فيقول :هذا لكم و هذا أهدي إلى إلا جلس في بيت أمة فينظر أ يهدى اليه أم لاء" (۳۰)

۴۔ دعوت قبول کرنا : دعوت عام مثلاً شادی وغیرہ میں شرکت کر سکتا ہے۔ مگر دعوت خاص جس میں چند افراد مدعو ہوں شرکت نہ کرے سوائے یہ کہ دعوت کرنے والے اور قاضی میں قرابت داری ہو یا پہلے سے دعوت کا معمول ہو بشرطیکہ اس کا کوئی مقدمہ قاضی کے پاس نہ ہو۔(۳۱)

۵۔ عدالت کی جگہ : شافعیہ کہتے ہیں قاضی مسجد میں عدالت نہ لگائے کیونکہ مقدمات کی سماعت سے بہت سے امور ایسے ہوتے ہیں جو مسجد کے آداب کے منافی ہیں۔(۳۲)

جمہور کی رائے میں رسول ﷺ اور ان کے صحابہ و تابعین کی اقتداء میں مسجد میں عدالت لگانے میں کوئی حرج نہیں۔(۳۳)

۶۔ قاضی کے معاونین : قاضی کے معاونین ہونے چاہییں جو مقدمہ کی کاروائی میں اس کی مدد

کریں جیسے قاصد، چپڑاسی اور کاتب وغیرہ کاتب کے لیے ضروری ہے کہ وہ شریعت کا علم رکھتا ہو۔ اہل شہادت میں سے ہو اور قاضی کے سامنے لکھے۔(۳۴)

۷۔ قاضی غصے، زیادہ غمگین، بھوک، پیاس یا نیند کی حالت میں فیصلے نہ کرے۔ کیونکہ امور حضوری قلب و عقل کے منافی ہیں جبکہ قاضی کے لیے صحیح نتیجے تک پہنچنے کیلیے یہ ضروری ہے۔ البتہ ایسی حالت میں کیے گئے فیصلے نافذ ہوں گے۔(۳۵)

۸۔ فریقین میں مصالحت: مصالحت کی امید پر اگر قاضی فریقین کو صلح کا موقع دیتے ہوئے لوٹا دے تو اس میں حرج نہیں مگر صلح کی امید نہ ہونے پر فریقین کو مہلت نہیں دے گا۔(۳۶)

قاضی کا اختیار ختم ہونا

جن امور سے وکالت ختم ہوتی ہے ان سے قاضی کا اختیار ختم ہو جاتا ہے مثلاً معزول کیا جانا، موت اور جنون مگر ایک چیز ہے جس سے وکالت ختم ہو جاتی ہے قاضی کا اختیار نہیں۔ موکل کی وفات سے وکالت ختم ہو جاتی ہے۔ مگر حاکم کی موت سے قاضی کا اختیار ختم نہیں ہوتا اس لیے کہ حاکم نے اسے مسلمانوں کو دیے ہوئے اختیار کی بنا پر قاضی کو مقرر کیا ہوتا ہے۔(۳۷)

ابھی تک ہم نے عدالتی نظام میں اس ادارے کے حوالے سے بات کی ہے جس کی طرف تنازعات نپٹانے اور حق کی وصولی کے لیے رجوع کیا جاتا ہے کہ یہ ادارہ کیسے وجود میں آتا اس کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ اس کے اختیارات و آداب کیا ہیں۔ اب ہم اس ادارے سے حق طلب کرنے کے طریقے اور ذریعے پر بات کریں گے۔ کہ دعویٰ کیا ہے اس کی شرائط کو جانیں اور ہمیں معلوم ہو کہ مدعی کون ہوتا ہے اور مدعی علیہ کون پھر ان کے دلائل کیا ہیں۔

الدعویٰ

دعویٰ کے لغوی معنی طلب یا تمنا کرنے کے ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے: ولھم ما یدعون (۳۸) کہا جاتا ہے کہ دعویٰ سے مراد ایسا قول ہے جس کے ذریعے انسان دوسرے پر کوئی حق واجب کرتا ہے۔(۳۹)

فقہ اسلامی میں دعویٰ کی تعریف یوں کی گئی ہے :

"إخبار بحق للإنسان علی غیرہ عندا لحاکم"(۴۰)

حاکم کے سامنے دوسرے کے ذمہ کسی انسان کے حق کی خبر دینا۔ اور یہ دعویٰ ان الفاظ سے منعقد ہو جاتا ہے جب کوئی شخص کہے کہ میرا فلاں کے ذمہ حق ہے یا فلاں نے اس طرح قبول کیا یا میں نے فلاں کا حق ادا کر دیا یا فلاں نے مجھے اپنے حق سے بری کر دیا وغیرہ۔(۴۱)

دعویٰ کی شرائط

دعویٰ کی صحت و درستگی کی کچھ شرائط ہیں جن کے بغیر دعویٰ قابل سماعت نہیں وہ شرائط درج ذیل ہیں۔(۴۲)

۱۔ عقل و تمیز : مدعی اور مدعی علیہ کا عاقل ہونا شرط ہے۔ مجنون اور صبی غیر ممیز کا دعویٰ درست نہ ہو گا اور نہ ان کے خلاف دعویٰ درست ہو گا۔

۲۔ دعویٰ قاضی کی عدالت میں ہو۔

۳۔ مدعی کا دعویٰ مخالف فریق کی عدالت میں موجودگی میں ہو۔ دعویٰ کی سماعت ، گواہیوں اور فیصلے کے وقت مدعی علیہ موجود ہو۔ غائب کے خلاف دعویٰ قبول نہ ہو گا اور نہ ہی غائب پر فیصلہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ دفاع نہیں کر سکتا یہ حنفیہ کی رائے ہے جبکہ جمہور کے نزدیک دیوانی مقدمات میں غائب کے خلاف مدعی کی گواہیوں کی بنا پر فیصلہ جائز ہے۔ کیونکہ اگر وہ حاضر ہوتا ہو یا دعویٰ کا اقرار کرتا یا رد کرتا۔ رد کرنے کی صورت میں مدعی گواہ لاتا جو اس نے پیش کر دیے لہٰذا مدعی علیہ کی غیر موجودگی سے فرق نہیں پڑتا۔

۴۔ مدعی بہ (جس حق کا دعویٰ کیا گیا ہے) معلوم ہو اس کی طرف قاضی کی موجودگی میں اشارہ کر کے معلوم بنایا جا سکتا ہے اور اگر غیر منقولہ ہے تو اس کا مقام اور حدود بیان کر کے معلوم ہو گا یا قاضی خود یا اپنے نائب (Commission) کے ذریعے اس کا معائنہ کر سکتا ہے۔ حق کے موجود نہ ہونے کی صورت میں جنس، نوع، مقدار اور صفت کے بیان سے واضح کیا جائے گا۔

۵۔ دعویٰ کا موضوع ایسا امر ہو جو مدعی علیہ پر شرعاً لازم ہو سکتا ہو۔ مثلاً کسی شخص کا کسی سے

صدقہ کا دعویٰ کرنا یا عقد باطل کے نفاذ کا دعویٰ قابل قبول نہیں۔

۶۔ مدعی بہ کو ثابت کرنا ممکن ہو۔ ایسی چیز کا دعویٰ جو حقیقی طور پر یا عادتاً نا ممکن ہو درست نہیں مثلاً کوئی شخص اپنے سے بڑے شخص کے متعلق دعویٰ کرے کہ وہ اس کا بیٹا ہے۔

مدعی اور مدعی علیہ

اسلام کے عدالتی نظام میں مدعی اور مدعی علیہ کو معلوم کرنا ضروری ہے کیونکہ دونوں کے دلائل مختلف ہیں۔ مدعی اور مدعی علیہ کی پہچان کے لیے ان کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں۔

۱۔ مدعی وہ ہے جسے خصومت پر مجبور نہ کیا جاسکے اور مدعی علیہ وہ ہے جسے خصومت پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ مدعی وہ ہے جو دوسرے کے قبضہ میں موجود شے کو لینے کی درخواست کرتا ہے یا دوسرے کے ذمہ کوئی حق ثابت کرنا چاہتا ہے۔ جبکہ مدعی علیہ وہ ہے جو اس کا انکار کرتا ہے۔

۳۔ دیکھا جائے گا کہ منکر کون ہے۔ منکر مدعی علیہ ہے جبکہ دوسرا مدعی ہوگا۔

مدعی اور مدعی علیہ کے دلائل

دعویٰ قبول ہونے کے بعد قاضی مدعی علیہ سے اس بارے سوال کرے گا اگر وہ دعویٰ قبول کر لے تو مدعی کے حق میں فیصلہ کر دے گا۔ انکار کرنے کی صورت میں مدعی سے گواہ طلب کرے گا۔ جب وہ گواہ پیش کر دے گا تو مدعی کا حق ثابت ہو جائے گا۔ مدعی گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعی علیہ سے قسم اٹھانے کا کہا جائے گا اگر وہ حلف اٹھالے تو اس کے حق میں فیصلہ ہوگا۔ یہ نبی کریم ﷺ کی حدیث سے ثابت ہے آپ کا ارشاد ہے:

"البينة على المدعى و اليمين على المدعى عليه" (۴۴)

بینہ مدعی کی دلیل ہے کیونکہ وہ چھپے ہوئے امر کا دعویٰ کرتا ہے اور بینہ میں ظاہر کرنے کی قوت ہوتی ہے۔ جبکہ مدعی علیہ ظاہر سے متمسک ہوتا ہے اس لیے اس حلف کو کافی قرار دیا گیا ہے۔ (۴۵)

مدعی علیہ کے نکول یعنی حلف اٹھانے سے انکار کے بعد مدعی کو حلف اٹھانے کو کہا جائے گا یا

نہیں اس بارے میں مالکیہ کی رائے کے مطابق مالی مقدمات میں مدعی علیہ کے انکار کے بعد مدعی کو حلف کا کہا جائے گا۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ دیوانی مقدمات میں مدعی علیہ کے انکار کے بعد مدعی سے حلف طلب کیا جائے گا۔ جبکہ حنفیہ اور حنابلہ کے مشہور قول کے مطابق مدعی علیہ کے نکول کے بعد مدعی سے حلف طلب نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس سے متذکرہ بالا مشہور حدیث کی خلاف ورزی ہوتی ہے جس میں یمین کو مدعی علیہ کی حجت بتایا گیا ہے۔ اگر اسے مدعی کی طرف لوٹایا جائے تو مدعی علیہ کے ذمہ حلف اٹھانا لازم نہیں آتا۔ حنفیہ اور حنابلہ نے کہا کہ مالی مقدمات میں قاضی نکول کے ساتھ فیصلہ کر دے گا۔ جبکہ دیگر دیوانی وفوجداری مقدمات میں نکول کے ساتھ فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ ایسی صورت میں مدعی علیہ کو قید و تعزیر کے ذریعے اقرار یا حلف پر مجبور کیا جائے گا۔(۴۶)

ایک گواہ اور مدعی حلف کے ساتھ فیصلہ

جب مدعی ایک گواہ پیش کر دے مگر دوسرا نہ کر سکے تو ایک گواہ کے ساتھ خود حلف بھی اٹھا لے تو کیا اس کے حق میں فیصلہ ہو سکتا ہے۔ حنفیہ کا مشہور قول ہے کہ قضاء بشاہد و یمین جائز نہیں کیونکہ اس سے قرآن کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے :

﴿واستشهدوا شهيدين من رجالكم﴾(۴۷)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿ وأشهدوا ذوي عدل منكم﴾ (۴۸)

قرآن دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں کی گواہی طلب کرتا ہے تو پھر ایک گواہ اور مدعی کا حلف نص پر زیادتی ہے جو کہ نسخ ہے۔ قرآن کا نسخ حدیث متواتر یا مشہور کے سوا جائز نہیں مزید یہ کہ اس سے متذکرہ بالا مشہور حدیث کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔(۴۹)

جمہور فقہاء کے نزدیک ایک گواہ اور حلف کیساتھ فیصلہ اموال میں جائز ہے۔(۵۰) وہ نبی کریم ﷺ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں :

"أنه قضى بشاهد ويمين" (۵۱)

حنفیہ نے اس حدیث پر طعن کیا ہے اور اس لیے بھی رد کیا ہے کہ یہ قرآن اور مشہور حدیث

کے خلاف ہے۔

یہاں تک ہم بیان کر چکے ہیں کہ قضاء کا ادارہ کیا ہے اور اس کے وظائف کیا ہیں۔ دعویٰ کا طریقہ کیا ہے۔ مدعی اور مدعی علیہ کیا ہیں ان کو اپنے موقف کو ثابت کرنے کیلیے عدالت میں کیا پیش کرنا ہوگا۔ بینہ اور یمین پر ابتدائی بحث کے بعد ہم نسبتاً تفصیل سے بحث کریں کہ دعویٰ کی قبولیت کے بعد فریقین کن وسائل سے اپنے اپنے موقف کو ثابت کر سکتے ہیں وہ وسائل و طرق چار ہیں۔

۱۔ گواہی

۲۔ حلف

۳۔ اقرار

۴۔ قرائن

گواہی یا شہادت

شہادت کے لغوی معنی حاضر ہونے یا قطعی خبر کے ہیں۔ (۵۲)

فقہ اسلامیہ میں شہادت کی تعریف یوں کی گئی ہے :

"إخبار صادق لإثبات حق بلفظ الشهادة فى مجلس القضاء" (۵۳)

گواہی کی مشروعیت پر قرآن، سنت اور اجماع دلیل ہیں۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿واستشهدوا شهيدين من رجالكم﴾

دوسری جگہ ارشاد ہے :

﴿وأشهدوا ذوي عدل منكم پھر فرمایا :واشهدوا إذا تبا يعتم﴾ (۵۴)

جہاں سنت کا تعلق ہے نبی کریم ﷺ کا مدعی کو فرمایا : شاهداك أو يمينه۔ (۵۵) اور گواہی کے بارے پوچھنے والے کو آپ کا فرمان : ترى الشمس؟ قال: نعم فقال: على مثلها فاشهد أو دع۔ (۵۶) گواہی کی مشروعیت کی دلیل ہے۔

جب گواہیاں اپنی شرائط کے ساتھ پیش کر دی جائیں تو قاضی پر ان کے مطابق فیصلہ واجب ہو جاتا ہے۔ گواہ بننا فرض کفایہ ہے جبکہ گواہ بننے کے بعد گواہی دینا گواہوں پر لازم ہے۔ اس پر قرآن کی متعدد آیات

دلیل ہیں۔ مثلاً ولا يأب الشهداء إذا ما دعوا (۵۷) ولا تكتموا الشهادة (۵۸) وأقيموا الشهادة لله(۵۹)

گواہ بننے کی شرائط

کسی فرد کے کسی واقعے پر گواہ بننے کے لیے حنفیہ کے نزدیک تین شرائط ہیں۔(۶۰)

(ا)۔ گواہ عاقل ہو، پاگل یا صبی غیر ممیز کا گواہ بننا درست نہیں۔ کیونکہ گواہ کے لیے فہم وادراک ضروری ہے۔

(ب)۔ واقعہ کے وقت گواہ اندھا نہ ہو۔ اس لیے کہ فریق کو دیکھے بغیر پہچان نہیں سکتا کیونکہ آوازیں ملتی جلتی ہو سکتی ہیں۔

حنابلہ کی رائے میں سماع سے متعلق معاملات میں جب وہ معاہدہ کرنے والے افراد کو جانتا اور ان کے کلام پر یقین رکھے تو اندھے کی گواہی جائز ہے۔ اسے شافعیہ کی رائے میں اندھا اگر یقین کے ساتھ جانتا ہو کہ کیا کہا اور کس نے کہا تو جائز ہے۔(۶۱)

(ج)۔ جس پر گواہ بن رہا ہے وہ شے اس نے خود دیکھی ہو یا سنی ہو سوائے ایسے امور کے جن کا تعلق مشہور ہونے یا پھیل جانے سے ہوتا ہے مثلاً سبب النسب۔ قاضی کا اختیار، کفر، اسلام وغیرہ۔

ادائیگی شہادت کی شرائط

قاضی کے سامنے گواہی کی شرائط ان میں سے بعض کا تعلق گواہ سے، بعض کا گواہی سے، بعض کا گواہی کی جگہ سے ہے۔

گواہ کی شرائط

گواہ سے متعلق کچھ شرائط عام ہیں اور کچھ کا تعلق بعض کو چھوڑ کر بعض سے ہے۔(۶۲)

(ا)۔ گواہ عاقل اور بالغ ہو، مجنون، نشئی اور بچے کی گواہی قبول نہیں۔

(ب)۔ گواہ آزاد ہو، گواہی کا تعلق ولایت واختیار سے ہے غلام کی ولایت نہیں اس لیے وہ گواہی نہیں دے سکتا۔

(ج)۔ مسلمان ہونا : فقہاء کا اتفاق ہے کہ گواہ کے لیے شرط ہے کہ وہ مسلمان ہو۔ مسلمان پر کافر کی گواہی قبول نہیں۔ حنفیہ نے جمہور کے خلاف ذمیوں کی گواہی ایک دوسرے پر جائز قرار دی ہے۔

(د)۔ گواہ نابینا نہ ہو، یہ شرط امام ابو حنیفہ امام محمد اور شافعیہ کے نزدیک ہے۔ جبکہ مالکیہ، حنابلہ اور امام ابو یوسف اندھے کی گواہی کو جائز قرار دیتے ہیں اگر اسے آوازوں کی یقینی پہچان ہو۔(۶۳)

(ہ)۔ نطق : حنفیہ شافعیہ اور حنابلہ نے گواہ کے لیے بولنے کی صلاحیت شرط قرار دی ہے۔ جبکہ مالکیہ کے نزدیک اشارہ سمجھ میں آنے پر گونگے کی گواہی قابل قبول ہے۔(۶۴)

(و)۔ عدالت : علماء کا اتفاق ہے کہ گواہوں میں عدالت کا ہونا یعنی کبائر سے اجتناب اور صغائر پر اصرار نہ کرنا شرط ہے۔

امام ابو حنیفہ کی رائے میں حدود قصاص کے سوا مسلمان کی عدالت کے بارے پوچھا نہیں جائے گا۔ جبکہ صاحبین کی رائے میں تمام حقوق میں گواہ عدالت کے بارے پوچھا جائے گا۔

(ز)۔ تہمت کا نہ ہونا یعنی گواہ مشہور لہ کے لیے کوئی فائدہ نہ چاہے یا نقصان دور نہ کرے۔ فقہاء کا اتفاق ہے کہ تہمت کی وجہ سے گواہی رد کر دی جائے گی۔ اصول اور فروع گواہی ایک دوسرے کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی۔ وکیل کی موکل کے حق میں قبول نہ ہوگی۔ اسی طرح دشمن کی دشمن کے خلاف رد کر دی جائے گی۔

(ح)۔ گواہوں کی تعداد : دیوانی مقدمات میں حنفیہ کی رائے میں دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں گواہ ہونا شرط ہیں۔ شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ کہتے ہیں کہ مردوں کیساتھ عورتوں کی گواہی صرف اموال میں جائز ہے۔ دیگر دیوانی مقدمات میں صرف مردوں کی گواہی ہوگی۔ حدود و قصاص میں مردوں کے گواہ ہونے پر علماء متفق ہیں۔ صرف ظاہریہ کی رائے ہے کہ حدود میں مرد کیساتھ عورتوں کی گواہی قبول ہے۔ زنا میں چار گواہ اور بقیہ حدود اور قصاص میں دو گواہ ہونا ضروری ہیں۔ عورتوں سے متعلق امور میں ایک عورت کی گواہی بھی قبول کر لی جائے گی۔

جن مقدمات میں ایک سے زائد گواہ ضروری ہیں۔ گواہوں کا اتفاق میں شرط ہے۔ اختلاف کی صورت میں گواہی قبول نہ ہوگی۔

گواہی سے متعلق شرائط

(ا)۔ گواہی کالفظ : گواہ کو ان الفاظ کے ساتھ ذکر کرنا چاہیے کہ میں گواہی دیتا ہوں۔

(ب)۔ گواہی دعویٰ کے موافق ہو ورنہ گواہی قبول نہ ہوگی۔

(ج)۔ حدود و قصاص میں شرط ہے کہ گواہی اصالۃً ہو یعنی گواہ خود قاضی کے سامنے گواہی دے جبکہ بقیہ مقدمات میں الشہادۃ علی الشہادۃ جائز ہے۔ اگر اصل گواہ کسی عذر کی وجہ سے عدالت حاضر نہ ہو سکتا ہو تو وہ اپنی گواہی پر گواہ بنا کر عدالت میں بھیج سکتا ہے۔

گواہی کی جگہ کے بارے شرط ہے کہ گواہی عدالت میں ہو۔ (۶۷)

گواہی سے رجوع کا حکم

۱۔ گواہی سے رجوع عدالت میں ہوگا۔ قاضی کے فیصلے کے بعد رجوع درست نہ ہوگا۔ رجوع سے قاضی کا فیصلہ فسخ نہ ہوگا، نہ قاضی خود فسخ کر سکتا ہے۔ مگر اس رجوع کے نتیجے میں گواہ پر جرمانے یا تلف کا ضمان لازم آئے گا۔ (۶۸)

۲۔ یمین : یمین کے لغوی معنی حلف اٹھانا اور قسم کھانا۔ (۶۹)

فقہ اسلامی میں یمین کی تعریف ہے۔ "هي توكيد الشئى أو الحق أو الكلام إثباتاً أو نفيا بذكر اسم الله أو صفة من صفاته" (۷۰)

یمین کسی شے، حق یا کلام کو ثابت یا نفی کرتے ہوئے اللہ کے نام یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ مئوکد بنانا۔

اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ یمین اللہ کے نام اور اس کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم کھانے سے منعقد ہوتی ہے۔ اللہ کے سوا کسی کے نام کی قسم کھانا جائز نہیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

"ألا إن الله ينهاكم أن تحلفوا بآبائكم من كان حالفا فليحلف بالله أو ليصمت" (۷۱)

یمین کی شرائط

قاضی کی عدالت میں حلف اٹھانے کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔(۷۲)

(ا)۔ حالف مکلّف مختار ہو۔ بچہ، مجنون، نائم اور مجبور کا حلف اٹھانا قبول نہ ہو گا۔

(ب)۔ مدعی علیہ، مدعی کے حق کا منکر ہو۔

(ج)۔ مدعی قاضی سے حلف کا مطالبہ کرے پھر قاضی حالف کو حلف اٹھانے کا کہے۔

(د)۔ یمین شخصی ہو۔ یمین میں نیابت جائز نہیں۔

(ھ)۔ یمین حدود کی طرح خالص اللہ کے حقوق میں نہ ہو۔

(و)۔ یمین ایسے حقوق میں ہو جن میں اقرار جائز ہے۔

(ز)۔ گواہ اور ثبوت پیش کرنے سے معذوری ہو اگر گواہ موجود ہوں تو یمین درست نہیں۔

یمین اور حلف پر ہم بحث مدعی اور مدعی علیہ کے دلائل کے ضمن کر چکے ہیں کہ یمین مدعی علیہ کی حجت ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کی رائے میں یمین مدعی کی طرف نہیں لوٹائی جائے گی۔ بلکہ اموال میں نکول سے فیصلہ ہو گا۔ اسی طرح حنفیہ کی رائے میں ایک گواہ اور مدعی کی یمین سے فیصلہ جائز نہیں۔

۳۔ اقرار

مقدمے میں فریقین کے وسائل جن سے وہ اپنے موقف کو ثابت کر سکتے ہیں ان میں سے تیسرا طریقہ ووسیلہ اقرار ہے۔

اقرار کے لغوی معنی ثابت کرنے کے ہیں جب کہا جاتا ہے قرّا لشئی بقر قرارا یعنی اس کو اس نے ثابت کیا۔

شرعی طور پر اقرار کے معنی ہیں : إخبار عن ثبوت حق للغير على نفسه(۷۴) اپنے اوپر دوسرے کے حق ثابت کرنے کی خبر دینا۔

اقرار کی حجت پر قرآن، سنت، اجماع اور قیاس دلیل ہیں۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ أأقررتم وأخذ تم على ذلكم إصرى قالوا أقررنا﴾(۷۵)

اقرار اگر حجت نہ ہوتا تو اللہ طلب ہی نہ کرتا۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿كونوا قوامين با لقسط شهداء لله ولو على أنفسكم﴾ (۷۶)

کسی کی اپنے اوپر گواہی اقرار ہے جسے اللہ طلب فرمار ہے ہیں جہاں تک سنت کا تعلق ہے اقرار کے بارے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

"واغد يا أنيس إلى امرأة هذا، فإن اعترفت فا رجمها" (۷۷)

تو رسول اللہ ﷺ نے اعتراف سے حد ثابت کر دی۔

اقرار کی حجیت پر اجماع ہے رسول ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک کسی نے اقرار کی حجیت سے انکار نہیں کیا۔ قیاس کی رو سے بھی اقرار حجت ہے کہ ہم اقرار پر گواہی جب قبول کرتے ہیں تو اقرار کو قبول کرنا اولی ہے۔

مگر واضح رہے کہ اقرار مقر پر حجت قاصرہ ہے اس کا اثر دوسرے نہیں ہوتا کیونکہ مقر کی ولایت دوسرے پر نہیں۔

صحت اقرار کی شرائط

اقرار کی درستگی کی شرائط درج ذیل ہیں۔ (۷۸)

۱۔ عقل: مجنون کا اقرار درست نہیں حنفیہ کے نزدیک بلوغت صحت اقرار کی شرط نہیں مگر جمہور کی رائے میں بلوغت شرط ہے۔ صبی ممیز کا اقرار درست نہیں۔

۲۔ اقرار بغیر جبر کے رضاکارانہ ہو۔ مجبور کیے گئے کا اقرار درست نہیں۔

۳۔ عدم تہمت: یہ شرط ہے کہ مقر اپنے اقرار میں متہم نہ ہو یعنی مقر لہ کو غلط طریقے سے فائدہ نہ پہنچائے یا کسی کا ضرر مقصود نہ ہو مثلاً مرض الموت میں کسی کے لیے اقرار کرنا۔

۴۔ اقرار کرنے والا معلوم ہو۔ اگر مقر مجہول ہو تو اقرار درست نہیں جس پر شریعت کے احکام مرتب ہوں مثلاً دو افراد کہیں ہم میں سے ایک پر کسی کے ایک ہزار ہیں۔ اگر مقر بہ مجہول ہو تو بھی اقرار لازم ہوگا اسے بیان کرنے کو کہا جائے گا۔ نہ کرنے پر قاضی اسے مجبور کرے گا۔

قرائن

مقدمہ کا فیصلے کرنے میں قرائن سے مدد لی جاتی ہے۔ ان کی ضرورت ثبوت کے نہ ہونے پر ہوتی ہے جبکہ ثبوت کی موجودگی میں بھی قرائن کام آتے ہیں۔ گواہوں کے جانچنے میں یا ثبوتوں میں تعارض ہونے پر ترجیح دینے کے لیے قرائن مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

قرینہ کی لغوی تعریف ہے "هي العلامة الدالة على شيء مطلوب" (۷۹)

قرینہ ایسی نشانی کو کہتے ہیں جو مطلوب کی طرف راہنمائی کرے۔

اصطلاحی تعریف اس طرح کی گئی ہے "هي كل أمارة ظاهرة تقارن شيئا خفيا فتدل عليه" (۸۰)

ایسی ظاہری نشانی جو چھپی ہوئی شے کے ساتھ ہوتی ہے اور اس کا اشارہ دیتی ہے۔

قرائن کی حجیت کے طور پر یہ بات پیش کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی علامتیں اور نشانیاں بتائی ہیں جو اس کے وجود پر دلالت کرتی ہیں اسی طرح ایمان اور نفاق علامتیں ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے یوم بدر میں مقتول کے سامان کے دو دعویداروں میں سے ایک کی تلوار پر قتل کی علامت دیکھ کر اسے سامان دیا۔ بنو قریظہ کے بالغ مردوں کو قتل کرنے کا فیصلہ ہوا تو مخصوص جگہوں پر اگنے والے بالوں کو بلوغت کی علامت سمجھا گیا۔ حیض کو رحم کے حمل سے براءت کی علامت بنایا گیا۔ حیض اور استحاضہ میں فرق کرنے کے لیے وقت اور رنگ کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ حنابلہ نے دفینہ اور لقطہ میں نشانیوں سے فرق کیا ہے وہ کہتے ہیں دفینہ پر پہلے وقتوں کے بادشاہوں کے نام یا مہر وغیرہ ہو گی ایسی علامت نہ ہونے پر یہ لقطہ قرار پائے گی۔

جمہور فقہاء حدود میں قرائن سے حکم نہیں لگاتے اور نہ قصاص میں سوائے قسامت میں، وہ مالی معاملات اور عائلی مقدمات میں بینہ کی عدم موجودگی میں حقوق ثابت کرنے کے لیے قرائن سے حکم لگاتے ہیں مگر مالکیہ بُو سے شراب کی حد اور حمل سے زنا ثابت کرتے ہیں۔ حنابلہ میں سے ابن القیم مالکیہ سے متفق ہیں کہ ان کے نزدیک حمل زنا کی حد ثابت کرنے کا کافی قرینہ ہے۔ (۸۱)

حواشی وحوالہ جات

۱۔ لسان العرب ۲۱۰/۱۱

۲۔ الدر المختار ۳۵۲/۵

۳۔ مغنی المحتاج ۳۷۲/۴

۴۔ محولہ بالا

۵۔ ۳۸/۲۶ ۔ ص۔ آیت:۲۶

۶۔ سورۃ المائدہ (۵) آیت :۴۹

۷۔ سورۃ النساء ۔ ۱۰۵:۴

۸۔ مسند امام أحمد بن حنبل ۔ ج ۔ ا ص ۔ ۲۴۱۔ حدیث نمبر(۱۲۸۴)۔
مسند امام احمد بن حنبل۔ج۔۲۔ ص۳۱۲۔ حدیث نمبر(۲۱۵۵۲)

۹۔ مسند احمد بن حنبل ۔ ج ۔ ۵۔ ص ۲۲۲

۱۰۔ السنن الکبریٰ ۔ بیہقی ۔ کتاب آداب القاضی ۔ باب ا۔ حدیث نمبر(۲۰۷۴۲)

۱۱۔ بدائع الصنائع ۳/۷، بدایة المجتهد ۳۴۴/۲، المغنی ۱۲/۱۴، مغنی المحتاج ۳۷۵/۴

۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ اصول الحدیث ، محمدعجاج الخطیب ، ص ۲۳۱

۱۴۔ سورۃ الحجرات (۴۹) آیت نمبر ۶

۱۵۔ نیل الأوطار ۔کتاب الأقضیة باب المنع من ولایة المرأۃ ......
حدیث نمبر(۳۸۸۱)

۱۶۔ سورۃ البقرۃ ۲۸۲:۲

١٧۔ مغنی المحتاج ٣٧٦/٤

١٨۔ سورۃ المائدہ (٥) آیت نمبر۔ ٤٩

١٩۔ سورۃ النساء (٤) آیت نمبر۔ ١٠٥

٢٠۔ سورۃ النساء (٤) آیت نمبر۔ ٥٩

٢١۔ مغنی المحتاج ٣٧٩/٤، الدرالمختار ٣٦٨/٥، بدائع الصنائع ٣/٧

٢٢۔ نصب الرایۃ کتاب آداب القاضی ۔ ج ٤۔ ص ١٣٩

٢٣۔ السنن الکبریٰ ۔ کتاب آداب القاضی۔باب فضل من ابتلی بشئی من الأعمال فقام فیہ با لقسط وقضی با لحق۔ج ۔ ١٥۔ ص ۔ ٣١

٢٤۔ سنن ابو دائود ۔ کتاب الأقضیۃ باب ١ ۔ حدیث نمبر(٣٥٧١۔٣٥٧٢)

٢٥۔ نیل الا وطار (کتاب الأقضیۃ والاحکام) باب کراھیۃ الحرص علی الولایۃ و طلبھا ۔ ج ٩۔ ص ١٤٧

٢٦۔ القوانین الفقھیۃ ۔ ص ٢٩٣

٢٧۔ بدائع الصنائع ١١/٧

٢٨۔ معجم الکبیر بحوالہ نصب الرایۃ ۔ کتاب آداب القاضی، ج ٤۔ ص١٤٨

٢٩۔ السنن الکبریٰ بیہقی۔ کتاب آداب القاضی، باب:لایقبل منہ ھدیۃ حدیث نمبر:(٢١٠٦٠)

٣٠۔ ایضاً حدیث نمبر: (٢١٠٥٩)

٣١۔ بدائع الصنائع ١٠/٧

٣٢۔ مغنی المحتاج ٣٩٠/٤

٣٣۔ بدائع الصنائع ١٣/٧، المغنی ٢٠/١٤

٣٤۔ المغنی ٥٢/١٤، بدالصنائع ١٢/٧

٣٥۔ المغنی ٢٥/١٤

٣٦۔ بدائع الصنائع ١٣/٧

۳۷. ایضاً ۱۶/۷، ۳۷/۲

۳۸. سورة یٰس۔ (۳۶) آیت نمبر:۵۷

۳۹. الرائد ۶۷۰/۱

۴۰. مغنی المحتاج ۴۶۱/۴، الدرالمختار ۵۴۱/۵

۴۱. بدائع الصنائع ۲۲۲/۲

۴۲. بدائع الصنائع ۲۲۲/۲، الدرالمختار ۵۴۴/۵

۴۳. بدائع الصنائع ۲۲۴/۲، الدرالمختار ۵۴۲/۵

۴۴. السنن الکبریٰ، بیہقی۔ کتاب الدعویٰ والبینات۔ باب البینہ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ۔ حدیث نمبر: (۲۱۸۰۷)

۴۵. بدائع الصنائع ۲۲۵/۲

۴۶. مغنی المحتاج ۱۵۰/۴، ۴۴۴، ۴۷۷، الطرق الحکمیۃ ص ۱۱۶، المغنی ۲۳۳/۱۴، حاشیۃ الرسومی ۱۴۶/۴

۴۷. سورۃ البقرۃ۔ آیت نمبر: ۲۸۲

۴۸. سورۃ الطلاق۔ آیت نمبر: ۲

۴۹. بدائع الصنائع ۲۲۵/۲، المبسوط ۲۹/۱۷

۵۰. مغنی المحتاج ۴۴۳/۴، ۴۸۲، بدایۃ المجتہد ۳۵۰/۲، المغنی ۱۳۰/۱۴

۵۱. السنن الکبریٰ، بیہقی۔ کتاب الشہادت۔ باب القضا بالیمین مع الشاہد۔ حدیث نمبر: ۲۱۲۲۷

۵۲. القاموس المحیط ۵۸۸/۱

۵۳. مغنی المحتاج ۴۲۶/۴، الشرح الکبیر، عبدالرحمن بن ابو عمر بن قدامہ مقدسی ۱۶۴/۴، الدرالمختار ۴۶۱/۵

۵۴. سورۃ البقرۃ ۲۸۲:۲، سورۃ الطلاق۔ آیت نمبر: ۲

٥٥. صحیح بخاری ۔ کتاب الرحض ۔ باب اذا اختلف الراحض ۔
حدیث نمبر: (٢٣٨٠)

٥٦. سبل السلام ۔ کتاب القضاء ۔ باب الشهادات۔ حدیث نمبر: ١٣٣٣

٥٧. سورة البقرة ۔ ٢: ٢٨٢

٥٨. سورة البقرة ۔ ٢: ٢٨٣

٥٩. سورة الطلاق۔ ٢٤: ٢

٦٠. الدرالمختار ٥/ ٤٦٢

٦١. المغنی ١٤/ ١٧٨، مغنی المحتاج ٤/ ٤٤٦

٦٢. بدائع الصنائع ٦/ ٢٦٧

٦٣. مغنی المحتاج ٤/ ٤٤٦، الشرح الکبیر، عبدالرحمن بن ابوعمر بن
قدامه مقدسی ٤/ ١٦٨، المغنی ١٤/ ١٨٠

٦٤. مغنی ١٤/ ١٨٠، حاشیة الدسوقی ٤/ ١٦٨

٦٥. بدائع الصنائع ٦/ ٢٧٧، المغنی ١٤/ ١٢٦، ١٢٩، ١٣٤،
بدایة المجتهد ٢/ ٣٤٨، الطرق الحکمة ص ١٦٢

٦٦. بدائع الصنائع ٦/ ٢٧٣

٦٧. ایضاً ٦/ ٢٧٩

٦٨. المبسوط ١٦/ ١٧٧، ١٧/ ٢، ٨، ١٦، بدائع الصنائع ٦/ ٢٨٣، الشرح
الکبیر للدردیر ٤/ ٢٠٧، مغنی المحتاج ٤/ ٤٥٦، المغنی ٤/ ٢٤٤

٦٩. لسان العرب ١٥/ ٤٢٠

٧٠. الشرح الکبیر ٢/ ١٢٦۔

٧١. مسند امام احمد بن حنبل۔ ج ٢۔ ص ٢٩۔ حدیث نمبر: ٤٥٠٩

٧٢. مغنی المحتاج ٤/ ٤٧٥، حاشیة الدسوقی ٤/ ١٤٥،
بدائع الصنائع ٦/ ٢٢٦، بدایة المجتهد ٢/ ٣٤٩

٧٣. الرائد ٢/ ١١٦٦

۷۴۔ حاشیۃ ابن عابدین ۵/۵۸۸

۷۵۔ سورۃ آل عمران ۲:۸۲

۷۶۔ سورۃ النساء (۴):۱۳۵

۷۷۔ صحیح بخاری۔ کتاب المحار بین من أهل الکفر والردۃ ۔ باب : الإعتراف با لزنا۔ (حدیث نمبر: ۲۴۴۰)

۷۸۔ بدائع الصنائع ۷/۲۲۲، مغنی المحتاج ۲/۲۳۸، الشرح الکبیر،عبدالرحمن بن ابو عمر بن قدامه مقدسی ۳/۲۹۷

۷۹۔ الرائد ۲/۱۱۷۲

۸۰۔ الطرق الحکمیۃ۔ ص:۱۹۵

۸۱۔ الطرق الحکمیۃ ص :۹۷، بدایۃ المجتهد ۲/۳۳۳، بدائع الصنائع ۷/۴۰

خودی

خودی استواری چاہتی ہے اس طرح شخصیت کا تصور ہمیں ''قدر'' کا معیار بھی عطا کرتا ہے اور خیر و شر کا مسئلہ بھی حل کر دیتا ہے۔ جس سے شخصیت مستحکم ہو خیر ہے اور جس سے کمزور ہو وہ شر ہے۔

(افکار اقبالؒ، ص ۱۲۱)

خودی کو تکامل کے لیے تین مراحل سے گزرنا پڑے گا۔

۱۔ اطاعت ۲۔ ضبط نفس ۳۔ نیابت الٰہی

نیابت الٰہی یا خلافت، زمین پر انسان کا تیسرا اور آخری مرحلہ ہے۔ نائب حق، خلیفۃ اللہ ہے۔ وہ ذات کامل ہے، وہ روح و بدن کے حسن کا عصارہ ہے۔

(افکار اقبالؒ، ص ۱۲۳، ۱۲۴)